Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:12 (1969)

"طریقۂ محمدیہ" کا ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر معین الدین احمد خان، ریڈر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی

اردو ترجمہ ــــ شاہ محی الحق فاروقی

حضرت سیدا حمد شہیدؒ نے ۱۸۱۸ء میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی دعاؤں کے ساتھ دہلی سے تحریک "طریقۂ محمدیہ" کی ابتدا کی۔ مذہبی اصلاحات کے لئے ایک جدوجہد کے طور پر شروع ہو کر جلد ہی اس نے ایک اجتماعی سیاسی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور کچھ ہی دنوں بعد یہ تحریک پنجاب میں سکھ حکومت کے خلاف ایک جہاد کی شکل میں پھیل گئی۔ دراصل اس حربی شکل میں یہ تحریک سب سے زیادہ مقبول ہوئی اور عام طور سے اس کو جہاد یا تحریک مجاہدین کہتے تھے۔ ہندوستان کے برطانوی عمال اور یورپی مصنفین نے اسے ہندوستانی وہابیت یا وہابی تشدد سے موسوم کیا ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ اس کی ایک وجہ تو ان کی یہ بدگمانی تھی کہ یہ تحریک سیاسی عزائم رکھتی ہے۔ اور دوسرا سبب عرب کی نام نہاد وہابیت سے اس تحریک کی مماثلت تھی[1] بہت سے قدامت پسند علماء اور مشائخ بھی جو اس تحریک کے بے لوچ تقشف اور اس کی اصلاحات کے انتہاپسندانہ تصورات سے نفرت کرتے تھے، بطور طنز اسے وہابیت یا وہابیہ کہتے تھے۔ خود سید احمد شہیدؒ اس تحریک کو طریقۂ محمدیہ کہتے تھے لیکن اس اصطلاح کی موزونیت پر ابتدا ہی میں یعنی ۱۸۲۹ء میں ان کے ایک مخالف میر محمد علی مدراسی کی جانب سے اعتراض کیا گیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ سیدا حمد کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے طریقہ کو "طریقۂ محمدیہ" کہیں[2]۔ بہرحال اس نزاع سے یہ ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ ابتدا میں اس تحریک کو "طریقہ محمدیہ" کہتے تھے۔

اگر ہم اس تحریک کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو کم از کم چار ایسے تاریخی عناصر نظر آتے ہیں، جن سے ان کی ساخت ہوئی۔ پہلا عنصر یہ ہے کہ سید احمد شہیدؒ، شاہ عبدالعزیزؒ کے مرید تھے، جنہوں نے انہیں تصوّف کے معروف سلسلوں یعنی قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور اس کے علاوہ مجددیہ سلسلہ میں بھی بیعت کیا تھا۔ موخرالذکر سلسلہ کی بنیاد عظیم صوفی مصلح حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے رکھی تھی۔ علاوہ ازیں

خود سیّد احمدؒ نے بھی تصوف کا ایک اصلاحی سلسلہ رائج کیا، جسے وہ طریقہ محمدیہؐ کہتے تھے۔ دراصل یہ طریقہ اس اصلاح کی روح کا، جسے ہندی مسلم تصوّف میں دو صدی قبل شیخ احمد سرہندی نے رائج کیا تھا، منطقی نتیجہ تھا۔

شیخ احمد کے طریقہ مجددیہ کا مقصد یہ تھا کہ تصوف کا رخ دوبارہ شریعت کی طرف پھیر دیا جائے جبکہ سیّد احمدؒ کا طریقہ محمدیہ عزیزِ تصوف کے گلے میں قلادہ شریعت ڈالنے سے کم پر راضی نہیں تھا[5]۔

شاہ اسمٰعیل شہید نے جن کی حیثیت طریقہ محمدیہ کے بانی کے قریب ترین معاون کی سی تھی، اپنی تصنیف عبقات میں لکھا ہے "ان لوگوں نے (جو تصوف کی راہ میں شرعی حدود سے تجاوز کر گئے ہیں) شریعت کی رسّی اپنے گلے سے نکال دی اور یہ اہل السنۃ نہیں ہیں۔ اہل السنۃ حقیقۃً (رسول اکرم صلی اللہ وسلم کے) صحابہ اور ان کے تابعین تھے"[6] ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیزؒ کی رہنمائی میں تصوف کی تربیت حاصل کرنے کے دوران جب سید احمدؒ 'شغل برزخ' یا 'تصور شیخ' کے مرحلہ پر پہنچے، جہاں شیخ کو مرکزِ تصور اور منتہائے محبت سمجھنا پڑتا ہے تو انھوں نے شاہ عبدالعزیز سے یہ درخواست کر کے کہ انہیں اس بت پرستی کے عمل سے معاف رکھا جائے، اس مرحلہ سے استثناء حاصل کر لیا[7] لہذا ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی اصطلاح میں اسے "زحیہ کمال کی نو صوفیت" کی ایک قسم کہا جا سکتا ہے جو دراصل اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں اسلامی احیاء کا متلازم تھی اور جس کے بے لوچ تقشف کی وجہ سے بہت سے قدیم الخیال علماء اور مشائخ اسے مشتبہ نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان کے خیال میں یہ تصوف کو بالکلیہ تاراج کرنے کی ایک خفیہ کوشش تھی۔

درحقیقت "طریقہ محمدیہ" تصوف کا ایک سلسلہ ہی نہیں بلکہ زندگی کا ایک مکمل نظام تھا۔ سید احمد شہیدؒ کو اکثر یہ کہتے سنا جاتا تھا کہ طریقہ محمدیہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے جو اپنے معتقدوں سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ زندگی کا ہر کام صرف رضائے رب العالمین کے لئے کیا جائے۔ گھر میں ٹھہرنے یا سفر کرنے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے میں مقصود احکامِ خداوندی کی بجاآوری اور مرضاتِ باری تعالیٰ کی پابندی کے سوا کچھ نہ ہو۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ حلال روزی کما کر خود بھی کھائے اور اپنے اہل و عیال کو بھی کھلائے۔ نماز پڑھے، روزہ رکھے، حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ جائے وغیرہ وغیرہ[8]۔

دوسرا اور تیسرا تاریخی عنصر یہ ہے کہ طریقہ محمدیہ آپس میں تقریباً مماثل دو مذہبی احیا پسندانہ رجحانات کا ایک اجتماع ثابت ہوا۔ ان دونوں رجحانات کی ابتدا شاہ ولی اللہؒ اور ان کے فرزند اور جانشین شاہ عبدالعزیزؒ

کی اصلاحی روایتوں سے ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک رجحان جیسے شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسمٰعیلؒ نے مولانا عبدالحیؒ پھلتی[11] کی رفاقت میں لے کر آگے بڑھے، اسلام کی توحید خالص، سنت کی تجدید اور فقہی احکام پر حدیث یا سنت رسول کو ترجیح دینے کے اصول پر زور دیتا تھا۔ پھر یہ رجحان تجدید اجتہاد کی تائید، کورانہ تقلیدِ ائمہ کی مخالفت اور مسلم معاشرہ کو شرک و بدعت سے پاک کرنے کی تلقین بھی کرتا تھا[12]۔ اس بات کے ثبوت میں شواہد موجود ہیں کہ ان متجددانہ تصورات کی تبلیغ شاہ اسمٰعیل نے ۱۸۱۰ء ہی سے جامع مسجد دہلی میں شروع کر دی تھی[13]۔ انہیں تصورات نے کچھ دنوں بعد ان کی 'تقویۃ الایمان'[14] میں ایک معین شکل اختیار کر لی جس میں شرک اور بدعت کے خلاف تشدد اور سختی کے اضافہ کے ساتھ شاہ ولی اللہ کی تحفۃ الموحدین (۱) سے گہری مماثلت اور پھر اس میں سید احمدؒ کے حربی تصورات کی غیر موجودگی[15] یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کتاب میں جن خیالات کا اظہار ہوا ہے، وہ شاہ اسمٰعیلؒ کے اپنے ہیں۔ ایک بیان کے مطابق اس کتاب کو مکمل کرنے کے بعد شاہ اسمٰعیلؒ نے علماء کے ایک گروہ کے سامنے جس میں سید احمد شہید اور مولانا عبدالحیؒ بھی شریک تھے، توثیق کے لئے پیش کیا تھا[16]۔ اس سے بھی ہمارے خیال کو تقویت ملتی ہے۔

شاہ اسمٰعیلؒ کے مذکورہ بالا نقطہ نظر کو مولانا عبدالحیؒ کی بھی مکمل تائید حاصل تھی اور دونوں حضرات آخر عمر تک شعوری طور پر اس مسلک پر قائم رہے۔ ۱۸۲۴ء میں علماء کے ایک گروہ کی جانب سے اس سوال کے جواب میں کہ "آپ کا مذہب حنفی ہے یا نہیں"، مولانا عبدالحیؒ نے اپنی اور شاہ اسمٰعیلؒ دونوں کی طرف سے کہا "من بر مذہب حنفی مثل طحاویؒ و کرخیؒ اَم باسناد صحیح کاربند می شوم نہ مثل حاطب اللیل پابندم"[17] یعنی میں طحاوی اور کرخی کی طرح حنفی ہوں۔ جب کوئی مسئلہ مستند حدیث سے ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرتا ہوں۔ اور اندھوں کی طرح کام نہیں کرتا جیسے رات میں لکڑیاں چننے والے جو سوکھی اور گیلی لکڑی میں تمیز نہ کر سکیں۔

یہ بات بھی توجہ کے لائق ہے کہ شاہ اسمٰعیل کے مذکورہ بالا اصلاحی نظریات اہل حدیث کے مسلم الثبوت عقائد سے جن کی تجدید شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ[18] میں کی تھی، قطعی مطابقت رکھتے تھے، لہذا یہ رجحان تجدد ولی اللہی کے متقشفانہ پہلوؤں کی ایک نظری تفصیل اور مزید ارتقائی شکل تھا جو کچھ عرصہ کے بعد اس اجتماع سے علیحدہ ہو گیا۔ اور برصغیر ہند و پاک میں تحریک اہل حدیث کی شکل میں جداگانہ

---

(۱) اس کتاب کا انتساب شاہ ولی اللہؒ کی طرف صحیح نہیں۔ (مدیر)

طور پر نمودار ہوا۔[19]

اس اجتماع کے دوسرے رجحان کو سیّد احمد شہیدؒ نے کچھ تو شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ کے ساتھ گہرے روابط سے فائدہ اٹھا کر اور کچھ مسلک تصوّف میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کر کے آگے بڑھایا۔ شاہ عبدالعزیزؒ کی رہنمائی میں اپنی وجدانی صلاحیتوں کو پوری طرح بروئے کار لا کر اور سعی پیہم اور نیک نیتی کے سہارے وہ بھی شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ کے مرتبہ تک پہنچ گئے۔ ایک مختصر سے مکتوب میں جس کی اشاعت ان کے مریدوں کے درمیان بڑے وسیع پیمانہ پر ہوئی تھی سید صاحب لکھتے ہیں:۔

"مقصود از بعیت بر دست مشائخ طریقت ہمیں است کہ راہ رضامندی حضرتِ حق بدست آید و راہ رضامندی حضرتِ حق منحصر است در اتباع شریعت غرّا۔۔۔۔ و اساس شریعت مصطفوی دو امر است اول ترک اشراک و ثانی ترک بدعات اما ترک اشراک پس بیانش آنکہ ہیچ کس را از ملک و جن و پیر و مرید و استاد و شاگرد و نبی و ولی حل کنندہ مشکلات و دافع بلیات و قادر بہ تحصیل منافع نداند و ہمہ را مثل خود عاجز و ناتواں در جنب قدرت و علم حضرت حق شمارد و ہرگز نا بر طلب حوائج خود نذر و نیاز کسے از انبیاءؑ و اولیاء و صلحا و ملائکہ بجا نیارد آرے ایں قدر داند کہ ایشاں مقبولان بارگاہ صمدیت اند و ثمرہ مقبولیت ایشاں ہمیں است در باب تحصیل رضامندی پروردگار اتباع ایشاں باید کرد و ایشاں را پیشوا ایمان طریق باید شمرد نہ ایشاں را قادر بر حوادث زمان و عالم السرّ و الاعلان داند کہ ایں امر محض کفر و شرک است۔۔۔۔ اما ترکِ بدعت پس بیانش آنکہ در جمیع عبادات و معاملات و امور معاشیہ

مشائخ طریقت کے ہاتھ پر بعیت سے مقصود یہی ہے کہ رضامندی حضرت حق کا راستہ حاصل ہو اور رضامندی حضرت حق کا راستہ اتباع شریعت غرّا میں منحصر ہے۔۔۔۔ اور شریعت مصطفوی کی اساس دو باتوں پر ہے۔ اوّل ترکِ شرک اور دوسرے ترکِ بدعات۔ اور شرک چھوڑنے کی تفصیل یہ ہے کہ فرشتوں، جنوں، پیروں، مریدوں، استادوں، شاگردوں، نبیوں یا ولیوں میں سے کسی کو مشکلات کا حل کرنے والا، بلاؤں کا دفع کرنے والا اور حصول منافع میں قدرت رکھنے والا نہ جانے۔ بلکہ ان سب کو خدا کی قدرت اور علم کے مقابلے میں اپنی ہی طرح عاجز و ناتواں سمجھے اور اپنی حاجتیں طلب کرنے کے لئے انبیاء، اولیاء، صالحین اور ملائکہ میں سے کسی کی نذر و نیاز نہ بجا لائے۔ البتہ اس قدر جانے کہ یہ لوگ مقبولان بارگاہ صمدیت میں سے ہیں۔ اور ثمرہ ان کی مقبولیت کا یہی ہے کہ پروردگار کی رضامندی حاصل کرنے میں ان لوگوں کا اتباع کرنا چاہیئے اور ان لوگوں کو پیشوایان طریق شمار کرنا چاہیئے نہ کہ انہیں حادثات زمانہ پر قادر اور چھپی اور کھلی تمام باتوں

ومعادیہ طریق خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بکمال قوت وعلو ہمت باید گرفت وانچہ مردمان دیگر بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از قسم رسوم اختراع کردہ اند مثل رسوم شادی وماتم وتجمل قبور وبناء عمارات برآں و اسراف در مجالس اعراس وتعزیہ داری وامثال ذلک ہرگز پیرامون آں نباید گردید وحتی الوسع سعی در محوآں باید کرد اول را خود ترک باید نمود بعد ازاں ہر مسلمانے را دعوت بسوئے آں باید کرد چنانچہ اتباع شریعت فرض است ہمچنیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر نیز فرض است .....“[۲۱]

کا جاننے والا سمجھ لیا جائے کہ یہ تو محض کفر اور شرک ہے۔ رہا بدعت کا چھوڑنا تو اس کا بیان یہ ہے جمیع عبادات اور معاملات اور امور معاشیہ (زندگی کے امور) اور امور معادیہ (آخرت کے امور) میں طریق خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال قوت اور عالی ہمت کے ساتھ مضبوط پکڑنا چاہیئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں نے جو مختلف قسم کی رسوم اختراع کی ہیں، مثلاً شادی اور غمی کی رسمیں، قبروں کی تزئین اور ان پر عمارتوں کی تعمیر، عرسوں کی مجالس میں اسراف، تعزیہ داری اور اسی قسم کی دوسری رسمیں ان میں ہرگز شرکت اور پیروی نہیں کرنی چاہیئے حتی الوسع ان کے مٹانے میں سعی کرنی چاہیئے۔ اول ان رسموں کو خود چھوڑنا چاہیئے پھر ہر مسلمان کو ان کے مٹانے کی طرف دعوت دینی چاہیئے۔ جس طرح اتباع شریعت فرض ہے اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نیک کاموں کا حکم دینا اور بری باتوں سے بچانا بھی فرض ہے۔

۱۸۱۰ء کے لگ بھگ جب کہ شاہ اسمٰعیلؒ اپنے ہم مذہبوں کی اوہام پرستیوں اور شرک آلود رسوم کے خلاف جنگ کر رہے تھے، سید احمدؒ نے اپنی باطنی قوتیں تصوف کی ریاضتوں کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ پھر ۱۸۱۱ء سے انھوں نے امیر خان کی فوج میں بڑی محنت سے کام کیا اور آخر کار ۱۸۱۸ء میں دونوں کے راستے دہلی میں مل گئے۔[۲۲] مذہبی علوم نظری میں سید احمدؒ سے بہت آگے ہونے کے باوجود جلد ہی شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ ان کے مرید ہو گئے۔ اس طرح وہ دونوں رجحانات یعنی ایک نظری یا علمی اور دوسرا عملی ایک اجتماع پر اکٹھے ہو گئے اور تحریک طریقۂ محمدیہ کی اساس بن گئے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ کا شمار ہر لحاظ سے اپنے عہد کے جید علماء میں ہوتا تھا، لہٰذا سید صاحب سے ان کی بیعت نے عوام کو مسخر کر لیا اور یہ بھی اس تحریک کی خیرہ کن مقبولیت کا ایک بڑا سبب ہے۔ شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ کی مشترکہ تالیف ’الصراط المستقیم‘، جو تحریک طریقۂ محمدیہ کی سب سے

مستند تشریح سمجھی جاتی ہے، سید صاحبؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے[۲۴] اس طرح یہ ان دونوں رجحانات کی ہم آہنگی کا ایک بولتا ہوا ثبوت ہے۔ اس کتاب میں سید صاحب بیعتِ توبہ میں داخل کرنے کے مختلف مدارج کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

سب سے پہلے اس راہ (راہ نبوت) کے متلاشی کو ایمان، عمل، اخلاق، وعدان، خواہشات اور عبادات کے متعلق شریعت کے مناہی پر توجہ دینی چاہیئے۔ اس پر لازم ہے کہ یہ طریقے قرآن و حدیث سے معلوم کرے۔ اگر اسے قرآن و حدیث کا علم حاصل ہو تو وہ یہ طریقے خود معلوم کرے ورنہ حدیث کے مستند علماء کی رائے سے روشنی حاصل کرے"[۲۵]

چوتھا رجحان جو بہت جلد سید احمدؒ اور ان کے متبعین کا جذبہ غالب بن گیا، اپنی نوعیت کے اعتبار سے مذہبی سیاسی تھا۔ اس رجحان کی ابتدا اور اس کے ارتقا کے مدارج خاصے سبق آموز ہیں۔ تحریک طریقہ محمدیہ کی ابتدا تو صوفیت کی ایک شکل میں ہوئی تھی، جس کا مقصد مسلمانوں کو اسلام کے صحیح راستہ پر دوبارہ لانا اور مسلم معاشرہ کو غیر اسلامی رسم و رواج سے منزہ کرنا تھا۔ ابتدا میں سید صاحبؒ اور ان کے متبعین اس مقصد کے حصول کے لئے تبلیغ، عبادت اور مراقبہ میں مشغول رہے لیکن دوسرے اور تیسرے سال جب سیّد صاحبؒ رائے بریلی میں مقیم تھے[۲۶] یہ رجحان ارتقاء کے مختلف مدارج سے گزرا۔ پہلے انھوں نے احیاء سنت کا ایک لائحہ عمل شروع کیا[۲۷] (اپنی رشتہ دار خواتین) کے ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا:۔

"اسلام یہ نہیں کہ انسان زبان سے کہے میں مسلمان ہوں یا گائے کا گوشت کھا لے اور ختنہ کرالے یا مسلمانوں کی مروجہ رسموں میں شریک رہے۔ اسلام یہ ہے کہ تمام احکام الٰہی کی تعمیل دل و جان سے کی جائے۔"[۲۸]

اس سلسلہ میں سیّد صاحبؒ نے نکاح بیوگان کی ایک عام تحریک شروع کی، جسے ان دنوں ہندومت کے زیر اثر (بنگال کے علاوہ) برصغیر کے مسلمان نجابت و شرافت کے منافی سمجھنے لگے تھے[۲۹] اس کے بعد انھوں نے اپنے متبعین کو جہاد کے احکام بتائے اور جنگی فنون کی مشق میں زیادہ وقت صرف کرنے کا حکم دیا۔ ذکر و شغل کے عام طریقوں اور جنگی فنوں کی مشقوں کے درمیان نسبت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ "وہ کام (سلوک) اس وقت کا ہے جب اس کام (جہاد) سے فارغ البال ہو"[۳۰]

اس طرح طریقہ محمدیہ کی مذہبی اخلاقی تبلیغ نے جلد ہی مذہبی اخلاقی عمل کی شکل اختیار کر لی جو اسلام کی اصل تعلیم کا جزو لاینفک ہے۔ ایک ممتاز مسلم مصنف نے حال ہی میں لکھا ہے کہ حدیث اور قدیم اسلامی علوم میں

دلچسپی کا اعادہ لازماً روح جہاد اور اسلامی فعالیت میں شدت پیدا کر دے گا۔ صرف اس لئے نہیں کہ نظریہ جہاد ان علوم کا جزو لاینفک ہے بلکہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابتدائی اسلامی معاشرہ کا نمونہ زندگی کے معاملات میں مثبت طور پر حصّہ لینے کی تعلیم بھی دیتا ہے اور موجودہ حالات میں تبدیلی پیدا کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔ [۳۱]

ان دنوں جب مسلمانوں کے معاشرتی، سیاسی اور مذہبی حالات تقریباً دم گھٹنے کی حد تک مایوس کن تھے، اسلامی فعالیت کے اس جوش و ولولہ نے سیاسی رُخ اختیار کر لیا اور اس کا مطمح نظر مدینہ کی مثالی اسلامی ریاست کے نمونہ پر ایک سیاسی ریاست کا حصول ہو گیا۔ ہمارے سامنے جو متفرق مواد موجود ہے، وہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ طریقہ محمدیہ کے اس سیاسی پہلو کو کلّی نہیں تو جزئی طور پر سہی، اس عمومی معاشی بدحالی سے بھی تقویت ملی تھی، جس کا اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں برّصغیر کے مسلمان شکار ہو گئے تھے۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ طریقہ محمدیہ کے اغراض و مقاصد کی اساس شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کی اصلاحی روایت تھی، ہمیں اس روایت کا بھی مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ ہمیں ٹھیک ٹھیک یہ معلوم ہو سکے کہ ان دونوں کے درمیان کیا تعلق تھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ بہت دنوں پہلے یعنی ۱۷۳۲ء میں شاہ ولی اللہ نے مکّہ میں ایک غم ناک خواب دیکھا تھا جس میں انھوں نے خود کو قائم الزماں کی حیثیت میں پایا تھا جو خالق کی مرضی کی عکاسی کر رہا ہو، اور جس کے ذریعہ کائنات کی تقدیر پر خدا کے غضب کا نزول ہو رہا ہو۔ برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے زوال اور نتیجتہً مسلم طاقت کے مراکز پر جاٹ اور مرہٹہ غارت گروں کے حملوں کے خطرے شاہ ولی اللہؒ کے ذہن پر اس قدر حاوی ہو چکے تھے کہ انھوں نے اس خواب میں دیکھا کہ اجمیر سمیت مسلمانوں کے بہت سے شہر اور قصبے لٹیرے کافروں کے قبضہ میں آ گئے۔ اور وہ اپنی بے دین حرکتوں کی وجہ سے غضب خداوندی کے مورد بن گئے ہیں۔ جب وہ غضب شاہ صاحب پر مترشح ہوا تو وہ بھی غضب ناک ہوئے اور انھوں نے خود کو لوگوں کے ایک جم غفیر میں دیکھا کہ وہ سب بھی غضب ناک ہیں ان کے غضب ناک ہونے سے۔

کیا حکم ہے اللہ کا اس وقت؟ لوگوں نے ان سے پوچھا۔

ہر نظام کو توڑ دینے کا [۳۲] انھوں نے جواب دیا۔

کب تک؟ لوگوں نے پھر پوچھا۔

جب تک تم دیکھو میرا غضب ساکت ہو گیا۔ انھوں نے جواب دیا۔

پھر وہ لوگ آپس میں قتال کرنے لگے اس وقت شاہ صاحب ایک بہت بڑی فوج جس میں ترک ازبک اور عرب شامل تھے، لے کر آگے بڑھے اور کفار کے خلاف خروج [۳۲] کیا اور فتح یاب ہو کر اجمیر تک ملک کو آزاد کرا دیا۔ [۳۴]

اگرچہ یہ سب محض ایک خیالی نقشہ تھا لیکن انقلاب اور جہاد کی (اوّل الذکر کا نشانہ خود مسلمانوں کے مختلف طبقات ہیں اور موخر الذکر کا ہدف مسلم معاشرہ کے دشمن ہیں) جو روح اس میں نمایاں ہے، وہ شاہ صاحب کی بقیہ تیس سالہ زندگی میں جو انھوں نے دہلی کے اذیت ناک ماحول میں گزاری، ان کے افکار میں پوری تیز رفتاری کے ساتھ رواں دواں رہی۔ اس مدّت (۱۷۳۲ء تا ۱۷۶۲ء) میں دہلی جن مصائب سے گزر رہی تھی، انھوں نے زندگی کو ناقابل برداشت بنا دیا تھا (۳۵) خلیق احمد نظامی کی زبان میں ان مصائب نے شاہ ولی اللہ کا کلیجہ چھلنی اور ان کی روح کو پژمردہ کر دیا تھا [۳۶] انھوں نے ایک رباعی میں کہا "تاریکی میں چمکنے والے تارے مجھے اژدھوں کی آنکھیں اور بچھو کے ڈنک معلوم ہوتے ہیں [۳۷] لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے سمجھ لیا تھا کہ برّصغیر کا مسلم معاشرہ جہاد کی اہلیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ ایک طرف زوال، انحطاط اور انتشار کی جڑیں مغل معاشرہ میں اتنی دُور تک پھیل چکی تھیں کہ ان کو شبہ ہونے لگا تھا کہ یہ معاشرہ اکلہ [۳۸] (ہڈیوں کو گھلا دینے والی ایک بیماری) میں مبتلا ہے۔ اور دوسری طرف دہلی کی بادشاہی، بلکہ صحیح معنوں میں نوابیاں اور وزارتیں جو اصل مرکزِ اقتدار تھیں، عادلانہ اور متوازن معاشرہ کی صفت سے عاری ہو چکی تھیں جبکہ عدل و توازن کی بنیادوں پر معاشرے کا قیام ان کی رائے میں عین تقاضائے اسلام اور جہاد کی اہل ایک مضبوط سیاسی ہیئت مہیا کرنے کے لئے لازمی تھا [۳۹] لہذا شاہ ولی اللہ صاحب نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے اور ان میں "تمام اخلاقی برائیوں اور معاشی بدنظمی سے پاک ایک صحت مند معاشرہ" قائم کرنے کا ولولہ پیدا کرنے کے لئے انتھک کوشش شروع کر دی تاکہ وہ جاٹوں اور مرہٹوں کے خطرات پر قابو پالیں جس کو انھوں نے محض خواب ہی میں نہیں دیکھا تھا بلکہ جس کو وہ پورے شعور کے ساتھ مرئی شکل میں بھی دیکھ سکتے تھے [۴۰]

اس ضمن میں علماء کی عادت تقلید سے بے زار ہو کر شاہ ولی اللہؒ نے ان سے کہا کہ وہ یونانی علوم، صرف و نحو اور خطابت ہی میں نہ کھو جائیں۔ بلکہ قرآن و سنت پر پوری توجہ دیں جو دین کی اصل بنیادیں ہیں [۴۱] بادشاہوں کو مخاطب کر کے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لیں اور اس وقت تک نیام میں نہ ڈالیں، جب تک خدا مومنین اور مشرکین کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ اور جب تک وہ اسلام کے قوانین کو نافذ نہ کر لیں۔ [۴۲]

انھوں نے وزراء پر زور دیا کہ وہ امن عامہ اور عمومی فلاح و بہبود کی خاطر معاشی اصلاحات پیش کریں اور ابتری اور انتشار کو روکیں[۴۳] امراء کو مخاطب کر کے انہیں یاد دلایا کہ انہیں جو اقتدار حاصل ہے اس کا مقصد ان کے زیر نگیں علاقہ کی حالت کی اصلاح ہے، ذاتی اغراض حاصل کرنا یا سلطان کے خلاف بغاوت کرنا نہیں ہے[۴۴] وہ کہتے ہیں:

"اے امراء! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ تم اپنی ذاتی اغراض حاصل کرنے میں مشغول ہو اور لوگوں کو تم نے چھوڑ دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ہلاک کر دیں۔ شراب نوشی کھلم کھلا ہوتی ہے اور تم اسے نہیں روکتے۔ عصمت فروشی، شراب نوشی اور جوئے کے اڈے اور محلے قائم ہیں اور تم اپنے ضمیر کی پستی کو محسوس نہیں کرتے۔ یہ سب کیوں ہے کہ گزشتہ چھ سو برسوں سے، یا اس سے بھی زیادہ عرصہ (اس ملک کے) بڑے شہروں میں حدود کا نفاذ نہیں ہو رہا ہے۔ جس کو تم نے کمزور پایا اس کا استحصال کیا اور جسے تم نے قوی دیکھا اس کی نخوت سے تم نے تعارض نہ کیا۔ تمہارے دماغ ہمیشہ لذیذ کھانوں، نازک اندام عورتوں، قیمتی پوشاکوں اور عظیم الشان عمارتوں میں منہمک رہے۔ تم نے کبھی اللہ کی طرف رخ نہ کیا اور قصہ کہانی کی طرح منہ سے اس کا نام لینے کے علاوہ تم نے کبھی اسے یاد کیا گویا تم یہ سمجھتے ہو کہ صرف اس کا نام لے کر تم کوئی بڑا انقلاب برپا کر سکتے ہو۔"[۴۵]

سپاہیوں کو مخاطب کر کے شاہ صاحبؒ نے کہا کہ اللہ نے تمہیں جہاد کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ تم اعلائے کلمۃ الحق کرو اور شرک اور مشرکین کو سرنگوں کر دو" لیکن جس مقصد کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا تھا، اسے چھوڑ کر تم نے سپہ گری کو ایک پیشہ اور دولت جمع کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔" شاہ صاحبؒ نے انہیں مشورہ دیا کہ اسلامی اقدار و عادات حاصل کرنے اور خدا کے سپاہی بننے کے لئے وہ روح جہاد میں غرق ہو جائیں[۴۶] اہل حرفہ کو شاہ صاحبؒ نے مشورہ دیا کہ وہ بد معاملگی کو ترک کر دیں! اپنے ساتھیوں کے ساتھ لین دین میں ایماندار اور خدا کے فرمان بردار بنیں۔ اسی طرح انھوں نے عام مسلمانوں کو بھی نصیحت کی کہ وہ اپنے کردار کی اصلاح کریں۔ اخلاق کو سفاہت سے بلند کریں، خشیت الٰہی پیدا کریں اور اسلام کے احکام کی اتباع کریں[۴۷]

آخر کار اس وقت بھی جبکہ اگست، ستمبر ۱۷۵۷ء میں مرہٹوں نے پوری قوت کے ساتھ دہلی کو تاراج کر دیا تھا[۴۸]، مسلمانوں کو بدحالی کی شدت کے مقابلہ میں پوری طرح بیدار کرنے میں ناکام ہو کر شاہ ولی اللہؒ نے افغان بادشاہ احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ وہ آکر برصغیر کے مسلمانوں کی مدد کرے[۴۹]۔ پنجاب کو پہلے ہی سکھوں کے سردار جسا سنگھ نے ۵۷-۱۷۵۶ء میں احمد شاہ کے بیٹے تیمور شاہ کے ہاتھوں سے چھین لیا تھا[۵۰] لیکن اب نجیب الدولہ کو شکست دے کر اور دہلی کو عماد الدولہ کے دوستانہ ہاتھوں میں چھوڑ کر مرہٹہ سردار اس

رگھوناتھ راؤ اور ملہر راؤ نے پنجاب کی طرف پیش قدمی کی اور اپریل ۱۷۵۸ء میں اٹک تک سکھوں سے فتح کر لیا اور پھر لاہور سے بھی سکھوں کو نکال کر غدار سردار ادینہ بیگ خان کو جس کی غداری سے پہلے سکھوں نے اور پھر مرہٹوں نے بڑا فائدہ اٹھایا تھا، وہاں کا گورنر بنا دیا۔ لیکن چند ماہ بعد اکتوبر ۱۷۵۸ء میں ادینہ بیگ خان کی اچانک موت کی وجہ سے اس کی جگہ ساباجی سندھیا نامی ایک مرہٹے کو مقرر کر دیا[51] اور پنجاب مرہٹوں کی ہندو پد پادشاہی کا ایک حصہ بن گیا۔ اس واقعہ نے ابدالی کے لئے ایک اور سبب مہیا کر دیا کہ وہ پانچویں بار ہندوستان پر حملہ کرے۔ چنانچہ ۱۷۶۱ء میں اس نے پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کو کچل دیا۔

پانی پت کی تیسری جنگ کو بعض علماء نے اس نقطۂ نظر سے بھی دیکھا ہے کہ وہ شاہ ولی اللہؒ کے "مکہ" والے خواب کی تعبیر تھی لیکن ابدالی کی فتح فیصلہ کن اور تاریخی اہمیت کی حامل ہونے کے باوجود آخر میں کھوکھلی ثابت ہوئی۔ یہ فتح ہندوستان میں نہ تو اس کی اپنی قوت کے قیام پر اور نہ مغلوں کی قوت کے پنپنے پر منتج ہوئی۔ بلکہ دہلی کی کمزور سلطنت میں اس کی فوجوں کے طویل قیام نے نیم آزاد صوبوں میں اور سازشی امراء میں شدید انتشار پیدا کر دیا جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں بنگال کے زوال کو نزدیک تر کر دیا[52]۔ اور (یہ انتشار) برصغیر میں برطانوی اور سکھ اقتدار کے ابھرنے میں معاون ہوا۔[53]

شاہ ولی اللہؒ کے افکار کا مذکورہ بالا رجحان جو نظریۂ جہاد کے گرد گھومتا تھا اور جسے محدود نقطہ نظر سے کافروں کے خلاف جنگ سمجھا گیا، ان کے ذہن کے محض ایک مخفی رجحان کی نمائندگی کرتا ہے جو کسی منطقی استدلال سے زیادہ جبلت بقا کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ اپنے منطقی اور منظم خیالات میں وہ جہاد کو قرآن کے اصل مفہوم میں "جہد فی سبیل اللہ" کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں جو ان کے خیال کے مطابق مختلف حالات میں مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے جن کی غرض سے انبیاء مبعوث ہوئے تھے۔" اس کا سب سے خاص اور اہم حصّہ داخلی اور خارجی زندگی میں ہدایت الناس ہے۔ اور ہر جہاد میں نصرت الٰہی کی توقع کرنے سے پہلے خود انتھک محنت کرنا اور قوت حاصل کرنا ضروری ہے"[54] علاوہ ازیں وہ "روح عصر" کے نظریہ پر بھی یقین رکھتے تھے، جو مصالح کے عالمگیر اخلاقی اصول اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ایک دورہ سے دوسرے دورہ میں بدلتی رہتی ہے[55] اس نظریہ کی روشنی میں ان کا یہ ایمان تھا کہ ان کے اپنے عہد کی روح نہ تو حرب ہی کی اور نہ نجوم و ہیئت جیسے طبیعاتی علوم یا ہندسہ و معماریہ کے فنون میں تحقیقات ہی کی متقاضی تھی۔ بلکہ اس کا تقاضا 'اسرار' کے بنیادی اصولوں کے علم پر مبنی تجدّد اخلاق تھا، وہ اسرار جو انسانیت اور کائنات

کی آفرینش اور ارتقا کی اساس ہے[۵۶]۔ لہٰذا انھوں نے اجتہادِ نو کی روح کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے صحیح علم کے حصول پر بہت زور دیا[۵۷]۔ اور انھوں نے "ہدایتِ صائب" کو جو انسانی زندگی کے مقصدِ اعلیٰ کے حصول کا ایک ذریعہ فراہم کرتی ہے، جہاد اور اجتہاد کے دو ستونوں یعنی جسمانی اور ذہنی سعی کے درمیان صحت مند توازن کے ساتھ معلّق پایا۔ 'تفہیمات الٰہیہ' میں وہ لکھتے ہیں کہ اگر مجھے ایسے وقت زندہ رہنا ہو جب انسانیت کی اصلاح کے لئے حالات جنگ کے متقاضی ہوں تو میں پوری احتیاط اور غور و خوض کے ساتھ جنگ کروں گا[۵۸]۔

اس توازن کو شاہ ولی اللہؒ اور ان کے صاحبزادے اور جانشین شاہ عبدالعزیزؒ نے بڑے محتاط اور مدبرین طریقے پر قائم رکھا۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی زندگی کا آخری حصّہ جن خطرناک حالات اور ذہنی انتشار میں گزارا، اس کا اندازہ ایک خط سے ہو سکتا ہے، جو انھوں نے اپنے چچا شاہ اہل اللہ کو منظوم عربی میں لکھا تھا:۔

"لیکن میں کفار کو دولت و ثروت کا مالک پاتا ہوں، (جنھوں نے ملک کو) دہلی سے کابل تک منتشر کر دیا۔ انھوں نے ہمارے نیکو کاروں پر بدکاروں کو ترقی دے دی ہے۔ اور ہر بُرے کو مبارزت طلبی کا حوصلہ ہو گیا ہے۔"

"یہ ملک ویران اور انصاف سے محروم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد کیا کوئی پناہ ڈھونڈنے والوں کو پناہ دینے والا ہے۔ اور کیا کوئی عدل پسند اور خوفِ خدا رکھنے والا ہے کہ وہ ان کی مدد کو آئے۔"[۵۹]

دہلی کے مشرق میں بھی مسلمانوں کی حالت اتنی ہی خطرناک تھی۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ کیا دارالاسلام دارالحرب میں بدل سکتا ہے، شاہ عبدالعزیزؒ نے ان کلمات کا لکھنا ضروری سمجھا:۔

"اور اس ملک (مراد ہند) میں احکام اور قانون شریعت جاری نہیں ہیں بلکہ گورنمنٹ انگریزی کے قانون جاری ہیں اور جاری ہونے والے احکام کفر سے یہ مراد ہے کہ ملک داری اور بندوبست رعایا اور لینا خراج اور عشور (محصول اموال) اور سیاست راہ زن اور چور چکار اور فیصلے خصومات وغیرہ جو حاکم کفار اپنے قوانین سے کرے گو بعض احکام اسلام مثل نماز جمعہ و عیدین و اذان و ذبح بقر وغیرہ سے تعرض نہ کرے کیونکہ ایسے امور بجنبہاں انتظام ریاست نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن بلحاظ اپنے قوانین کے بہتیری مساجد کو بھی بے تکلف منہدم کر دیتے ہیں کوئی مسافر بغیر راہ داری اور اجازت حکام وقت اس ملک (ہند) میں وارد نہیں ہو سکتا اور بر تقدیر اپنی منفعت کی غرض سے کسی مسافر اور سوداگر سے تعرض بھی نہیں کریں لیکن مثل اس کے دوسری بات یہ ہے کہ شجاع الملک اور ولایتی بیگم بغیر اجازت گورنمنٹ انگریزی کے اس ملک میں (نہیں) آسکتے بلکہ یہاں سے کلکتہ تک عمل داری

گورنمنٹ انگریزوں کی ہے"۔ ٦٠

لہذا انیسویں صدی کی ابتداہی میں مغل جاگیرداری کی بوسیدہ عمارت پورے برصغیر پاک وہند میں اپنے ہی نقائص کے بوجھ سے ریزہ ریزہ ہوچکی تھی۔ واقعات کی رفتار نے یہ ناممکن بنا دیا تھا کہ عمومی اندرونی انقلاب کے ذریعہ مسلمان پھر اپنی قوت حاصل کرلیں۔ اجتہاد اور اصلاح اخلاق کی جو تحریک شاہ ولی اللہؒ نے شروع کی تھی اسے ایک اندھے اور قدامت پسند معاشرہ نے درخور اعتنانہ سمجھا لہذا تھوڑے سے پرجوش لوگوں کے لئے جو اصلاح کی خاطر سید احمد شہیدؒ کے گرد جمع ہو گئے تھے اب اس کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہیں تھا کہ اگر وہ مسلم معاشرہ کو اس کی اصلی حالت پر لانا چاہیں تو جہاد کریں۔ لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ جب ۱۸۱۸ء میں شاہ عبدالعزیزؒ کے سامنے سید احمدؒ اسلام کے سپاہی کے طور پر پیش ہوئے تو اسے غیبی امداد سمجھا گیا۔ منشی نعیم خان کے نام ایک خط (۱۸۲۳ء) میں شاہ عبدالعزیزؒ نے سیّد احمد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ وہ فرستادہ خدا اور مقدس اور منتخب وسیلہ ہیں جن کے ذریعہ فضل الہٰی انسانیت کی اصلاح کرتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے دعا کی ٦٢ " اللہ ان (سید احمدؒ) کے ذریعہ مسلمانوں پر رحمتیں نازل کرے"۔ لہذا طریقۂ محمدیہ جس نے تحریک احیاء اسلام کی شکل اختیار کرلی اور جو (۱) احیاء سنت (۲) اجتماعی مذہبی اصلاح (۳) جہاد اور (۴) اجتہاد پر زور دیتا تھا، شاہ ولی اللہؒ کی اصلاحی روایت کا ایک انقلابی ماحصل تھا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ درحقیقت محمدؐ بن عبدالوہاب کے پیرو" وہابی" کے لقب کو ناپسند کرتے تھے اور خود کو" موحدین" کہتے تھے اور آجکل" سلفی" کہتے ہیں۔

۲۔ مفصّل تبصرہ کے لئے ملاحظہ ہو مصنّف کی کتاب" بنگال میں فرائضی تحریک کی تاریخ " (انگریزی) کراچی ۱۹٦۵ء صفحات ۳۱ تا ۴۱۔

۳۔ ان کا زمانہ ۱۵٦۴ء سے ۱٦۲۴ء تک تھا اور عام طور سے امام ربانی، مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور تھے۔

۴۔ مفصّل تبصرہ کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب" بنگال میں فرائضی تحریک کی کتاب" (محولہ بالا) صفحہ ۲۷۔

۵۔ ملاحظہ ہوں حسب ذیل حوالے۔

٦۔ ابویحییٰ امام خان نوشہروی: " تراجم علماء حدیث ہند" جلد اول صہ ۱۰۵

۷؎ غلام رسول مہر: "سید احمد شہید" لاہور ۱۹۵۲ء حصہ اول صفحات ۷۷-۷۶

۸؎ ڈاکٹر فضل الرحمٰن "اسلام" (انگریزی) ویڈنفیلڈ اینڈ نکلسن ۱۹۶۶ء۔ صفحہ ۲۰۶۔

۹؎ غلام رسول مہر: "سیّد احمد شہید" (بحوالہ بالا) حصہ اول۔ صفحہ ۱۳۰

۱۰؎ شاہ محمد اسمٰعیل، شاہ عبد الغنی کے بیٹے اور شاہ ولی اللہ کے پوتے تھے۔ ۱۷۸۱ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۱ء میں سید احمد شہیدؒ کے ساتھ بالاکوٹ کے مقام پر جو اب موجودہ ضلع ہزارہ میں واقع ہے، شہید ہوئے۔ ملاحظہ ہو مصنف کا مقالہ "پاک و ہند میں جدید اسلامی ارتقا کا ایک کتابیاتی تعارف" (انگریزی): ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان، ڈھاکہ، ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۰ حاشیہ۔

۱۱؎ مولانا عبد الحیؒ پھلہتی شاہ ولی اللہ کے بیٹے شاہ عبد العزیزؒ کے شاگرد، مرید اور داماد تھے۔ ملاحظہ ہو۔ غلام رسول مہر کی "جماعت مجاہدین" لاہور، ۱۹۵۵ء، صفحات ۱۱۸-۱۱۱

۱۲؎ ذیل میں دیئے ہوئے شواہد کی روشنی میں بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ شاہ اسمٰعیل کسی خاص فقہی مذہب کی اتباع کے بارے میں منفی رویّہ رکھتے تھے اور مولانا عبد الحیؒ ثابت قدمی کے ساتھ حنفی مذہب سے وابستہ تھے۔

۱۳؎ مرزا حیرت دہلوی: "حیات طیبہ" لاہور ۱۹۴۰ء صفحہ ۶۱ (حاشیہ)۔ مرزا حیرت نے شاہ اسمٰعیل کی کامیابیوں کو بڑا رومانی رنگ دے دیا ہے لیکن اس نکتہ کی تائید میں ہمارے پاس دوسرے شواہد بھی موجود ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

۱۴؎ اس تصنیف کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی "پاک و ہند میں جدید اسلامی ارتقا کا ایک کتابیاتی تعارف" (محولہ بالا) ص۵۵-۵۴۔ ۱۵؎ ایضاً

۱۶؎ حافظ عزیز الدین مراد آبادی "اکمل البیان فی تائید تقویت الایمان" لاہور، ۱۹۶۵ء ص۱۰۔

۱۷؎ ایضاً ص۱۳

۱۸؎ مصنف کا مقالہ "شاہ ولی اللہ کا تصوّر اجتہاد" (انگریزی) مطبوعہ جرنل آف دی پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی جلد ہفتم، حصہ سوم ۱۹۵۹ء صفحات ۱۶۵-۹۴ بھی ملاحظہ ہو۔

۱۹؎ اس رجحان کے تجزیہ کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی "فرائضی تحریک کی تاریخ (محولہ بالا) صفحہ ۵۲

۲۰؎ سید احمد شہید رائے بریلی ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہوئے۔ ملاحظہ ہو "پاک و ہند میں جدید اسلامی ارتقا کا ایک کتابیاتی تعارف" (محولہ بالا) ص۵۱ (حاشیہ)

۲۱؎ حافظ عزیز الدین مراد آبادی "اکمل البیان" (محولہ بالا) صفحہ ۵۴-۴۲

۲۲ غلام رسول مہر: "سید احمد شہید" (محولہ بالا) حصہ اول صفحہ ۱۱۳-۸۲

۲۳ ایضاً صفحہ ۱۱۸-۱۱۶ ۲۴ ایضاً صفحہ ۱۴۲

۲۵ فرائضی تحریک کی تاریخ (محولہ بالا) صفحہ ۱۴

۲۶ جون ۱۸۱۹ء، اگست ۱۸۲۱ء تک۔ ملاحظہ ہو غلام رسول مہر: "سید احمد شہید" (محولہ بالا) حصہ اوّل۔ صفحہ ۱۲۷-۳۲

۲۷ ایضاً صفحہ ۱۴۳-۱۴۲ ۲۸ ایضاً صفحہ ۱۴۶

۲۹ نکاح بیوگان مسلمانان بنگال کے لئے کبھی مسئلہ نہیں بنا۔

۳۰ غلام رسول مہر: "سیّد احمد شہید" (محولہ بالا) حصّہ اوّل۔ صفحہ ۱۴۰

۳۱ ڈاکٹر فضل الرحمن: "اسلام" (محولہ بالا) صفحہ ۲۱۱

۳۲ ایضاً "فک کل نظام" ۳۳ ایضاً "جہاد"

۳۴ شاہ ولی اللہ: فیوض الحرمین" مشاہدہ چہل وچہارم (۴۴) اردو ایڈیشن، از پروفیسر محمد سرور۔ لاہور ۱۹۴۷ء صفحہ ۹۹-۲۹۷ اور عربی ایڈیشن صفحہ ۸۹، اقتباس از غلام حسین جلبانی: "شاہ ولی اللہ کی تعلیم" حیدر آباد سندھ ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۱۰

۳۵ "تاریخ مشائخ چشتی" صفحہ ۱۳۱ ۳۴ منقولہ از خلیق احمد نظامی: "تحریک آزادی کی تاریخ"۔ (انگریزی) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۵۷ء جلد اوّل ص۵۱۵

۳۶ تحریک آزادی کی تاریخ (محولہ بالا) صفحہ ۵۱۵۔

۳۷ ایضاً عربی متن۔ ذیلی حاشیہ ۴۔ ۳۸ ایضاً صفحہ ۲۷-۵۲۶۔ مزید ملاحظہ ہو صفحہ ۵۲۰

۳۹ ایضاً صفحہ ۲۱-۵۱۹۔ ۴۰ ایضاً

۴۱ شاہ ولی اللہ: "تفہیمات الٰہیہ" جلد اول صفحہ ۱۵-۲۱۴۔ ۴۲ ایضاً صفحہ ۱۶-۲۱۵

۴۳ ملاحظہ ہو خلیق احمد نظامی کی "تحریک آزادی کی تاریخ" (محولہ بالا) مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۰ء صفحہ ۸۹-۵۸۔ ۴۴ شاہ ولی اللہ: "تفہیمات الٰہیہ" جلد اوّل ص۲۱۶

۴۵ ایضاً۔ ۴۶ ایضاً۔ صفحہ ۱۷-۲۱۶۔ ۴۷ ایضاً صفحہ ۲۱۸-۲۱۷

۴۸ ڈاکٹر آر، سی، مجمدار و دیگر: "ایڈوانسڈ ہسٹری آف انڈیا" (انگریزی) صفحہ ۸۴۵

۴۹ خلیق احمد نظامی: "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" علی گڑھ ۱۹۵۰ء صفحہ ۸۴-۴۰۔

فارسی متن صفحہ ۱۱۴-۹۷ اُردو ترجمہ ۔

۵۰ سید محمد لطیف: لاہور مطبوعہ ۱۸۹۲ء صـ ۷۸

۵۱ ایضاً۔ اور مجمدار "ایڈوانسڈ ہسٹری آف انڈیا" (محولہ بالا) صفحہ ۵۴۸

۵۲ ڈاکٹر ایم مہر علی: جنگ پلاسی کا پس منظر (انگریزی) جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان، جلد یازدہم، شمارہ ۳۔ دسمبر ۱۹۶۶ء، صفحہ ۷۰-۳۷ -

۵۳ مجمدار: "ایڈوانسڈ ہسٹری آف انڈیا" (محولا بالا) صـ ۵۴۲ ۔

۵۴ شاہ ولی اللہ: "تفہیمات الٰہیہ" جلد دوم۔ صـ ۱۰۳ ۔

۵۵ ایضاً۔ جلد اول صـ ۱۰۱ ۔ مزید ملاحظہ ہو مصنف کا مقالہ "شاہ ولی اللہ کا تصور اجتہاد" (انگریزی) جرنل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جلد ہشتم حصہ سوم ۱۹۵۹ء صـ ۱۶۵ (حاشیہ)

۵۶ ملاحظہ ہو مصنف کا مقالہ "شاہ ولی اللہ کا تصور اجتہاد (محولہ بالا) صـ ۱۶۵ (حاشیہ)

۵۷ شاہ ولی اللہ: "تفہیمات الٰہیہ" جلد اوّل صـ ۱۵۲ ۔ حجتہ اللہ البالغہ: مقدمات اور عقد الجید (پورا رسالہ اسی موضوع پر ہے) مفصل تبصرہ کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کا مقالہ "شاہ ولی اللہ کا تصور اجتہاد" (محولہ بالا) صـ ۱۶۵ (حاشیہ)۔ ۵۸ تفہیمات الٰہیہ جلد اول صـ ۱۰۱ ۔

۵۹ ابو یحییٰ امام خان نوشہروی: "تراجم علماء حدیث ہند" صـ ۵۸

۶۰ فتاوی العزیزیہ (اردو ترجمہ) حیدر آباد دکن ۱۳۱۳ھ صـ ۵۵-۵۱

۶۱ ملاحظہ ہو "تحریک آزادی کی تاریخ" (محولہ بالا) صـ ۵۷

۶۲ "رسالہ جہاد" (فارسی مسوّدہ) جسے حال ہی میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی نے حاصل کیا۔ صـ ۱۷-۱۶